پاکستان کا آبی مسئلہ: اصل حقیقت اور حل

عمر شریف

نسلِ انسانی کی بقاء اور نشو و نما جن چیزوں پر منحصر ہے اُن میں پانی سب سے اہم ضرورت ہے۔ کسی بھی علاقے میں پانی کی کمی یا اِس کا نہ ہونا انسانی زندگی کو شدید متاثر کرتا ہے یا پھر اِس کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے۔ پاکستان میں پانی کی کمی کا شور پچھلے تقریباً 30-25 سال سے سُنائی دے رہا ہے اور کچھ بین الاقوامی تحقیقی اداروں کے مطابق تو پاکستان 2025 تک پانی کی شدید قلّت کے شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا اور اِسکی بڑھتی ہوئی آبادی اور گھٹتی ہوئی زراعت کے لیے پانی کا حصول مزید مشکل صورتِ حال سے دوچار ہو جائے گا۔ پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آنے والی تمام سِول اور فوجی حکومتیں وسائل کے ہوتے ہوئے اِس اہم مسئلہ سے بھی اُسی طرح پہلو تہی کرتی رہیں جسطرح مسلم امت کے باقی اہم مسائل سے پوری مسلم دنیا کی مقامی حکومتیں کرتی چلی آرہی ہیں۔ پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں نے کبھی تو اِس مسئلہ کی جڑ بھارتی آبی جارحیت کو قرار دیا۔ کبھی اِس کا الزام مختلف صوبائی رہنماؤں کے ذاتی اور سیاسی مفادات پر ڈال دیا اور کبھی تو عوام کی جانب سے پانی کے غیر محتاط اور بے جا استعمال کے سر تھونپ دیا اور آج بدقسمتی سے اِس مسئلہ کی شدّت اِس حد تک دکھائی گئی کہ ملک کی عدلیہ کے سربراہ یعنی چیف جسٹس کو اِس مسئلہ کے حل کے لیے ڈیم بنانے کی مہم کا آغاز کرنا پڑا اور اِس مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اُنہیں اپنا وقت اِس صورتِ حال میں دینا پڑا کہ جب اُنکے اپنے ادارے یعنی پاکستانی عدالتی نظام میں لاکھوں مقدمات کئی سالوں سے زیر التواء ہیں اور وہ خود انگریز سامراج کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام میں اصلاحات لانے کی ناکامی کا اعتراف کر چکے ہیں۔

کیا واقعی پاکستان پانی کی کمی کا شکار ہے؟ کیا واقعی بھارتی آبی جارحیت اِس مسئلہ کی سب سے بڑی وجہ ہے؟ اِس مسئلہ کی شدّت کو بڑھانے اور لوگوں کے آبی مسائل میں اضافے میں ہماری سرمایہ دارانہ حکومتوں کی اپنی نااہلی اور سُستی کتنی ہے؟ آج کا یہ مضمون اِن سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ اِس مضمون میں اِس بات پر بھی بحث کی جائے گی کہ ڈیموں کی تعمیر سمیت جدید ٹیکنالوجی کے وہ کون سے وسائل ہیں جو خصوصی طور پر زراعت کے میدان میں پانی کی کمی کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ اور انشاء اللہ آنے والی ریاستِ خلافت کس طرح اِسلام کی روشنی میں جدید ٹیکنالوجی سمیت تمام وسائل بروئے کار لا کر باقی مسائل کی طرح اِس مسئلہ کو بھی حل کرے گی۔

جہاں تک اِس مسئلہ میں بھارتی کردار کا تعلق ہے، تو قرآن پاک کی تعلیمات ہمیں واضح طور پر آگاہ کرتی ہیں کہ مسلمان اِسلام دشمنی میں یہودیوں اور مشرکین کو بدترین پائیں گے اور یہ ہمارے لیے کوئی زیادہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ہمارے مشرک ہمسائے نے جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا پاکستان کی مسلم عوام کو پریشانی اور مشکل سے دوچار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پاکستان کے آبی مسئلہ میں بھارتی کردار جاننے کے لیے ہمیں 1947 میں تقسیمِ برصغیر کو مختصراً دیکھنا ہوگا۔ تقسیمِ ہند کے وقت ہندو اور مسلم آبادی کے لحاظ سے پنجاب کا مشرقی حصّہ بھارت جبکہ مغربی حصّہ پاکستان کے حصّے میں آیا۔ بھارتی پنجاب کی دو تحصیلیں فیروز پور اور زیرا، جو کہ پاکستانی پنجاب سے ملحقہ ہیں ریڈ کلف ایوارڈ جو کہ تقسیم شدہ علاقوں کو واضح کرتا تھا، کے مطابق مسلم آبادی کی اکثریت ہونے کی وجہ سے پاکستان کے حصّے میں آئیں۔ اِس ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان 13 اگست 1947 کو ہونا تھا مگر اِسے جان بوجھ کر چند دنوں کے لیے روک دیا گیا اور 17 اگست کو اِس کا اعلان کیا گیا۔ اِن چار دنوں میں ریڈ کلف ایوارڈ میں کچھ ایسی تبدیلیاں کی گئیں۔ جن کا نقصان براہِ راست نوزائیدہ ریاست پاکستان کو ہوا۔ اِن تبدیلیوں میں سے ایک یہ تھی کہ مسلم اکثریت والی یہ دونوں تحصیلیں یعنی فیروز پور اور زیرا بھارت کو دے دی گئیں۔ اگر یہ تحصیلیں پاکستان کے پاس آجاتیں تو دریائے ستلج کے کنارے سے بھی آگے تک کا حصّہ پاکستان کے کنٹرول میں آجاتا اور نہ صرف یہ کہ پاکستانی علاقوں کو سیراب کرنے والے فیروز پور تحصیل میں موجود فیروز پور بیراج اور دیپالپور نہر کے ہیڈ ورکس پاکستان کو مل جاتے بلکہ گنگا کینال جو بھارتی راجھستان کے کئی علاقوں کو سیراب کرتی ہے کا کنٹرول بھی پاکستان کے پاس ہوتا۔ جبکہ اِس صورت میں 1960 میں طے پانے والا سندھ طاس معاہدہ (Indus Water Treaty) جس میں پاکستان کے آبی حقوق کو بُری طرح پامال کیا گیا اُسکی شکل و ہیبت اور بنیادی ڈھانچہ بھی مکمل طور پر تبدیل ہوتا اور نہ ہی پاکستان کو تین مشرقی دریاؤں یعنی ستلج، بیاس اور راوی کے پانی سے مکمل طور پر دستبردار کیا جاتا لیکن پاکستان کی اُس وقت کی سیاسی قیادت نے نہ تو اِن تحصیلوں کو زبردستی بھارت کو دینے پر کوئی خاطر خواہ احتجاج کیا اور نہ ہی کوئی ٹھوس اقدامات اٹھائے بلکہ "جو مل رہا ہے اُسے غنیمت سمجھو" کے تصور کے تحت اِسکو مِن و عن قبول کر لیا۔ اُس وقت کے رہنماؤں کی سیاسی نابالیدگی نے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ مگر کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔

31 مارچ 1948 کو بھارت نے پاکستان آنے والی دو اہم نہریں جو اَپ نہریں سنٹرل باری دو آب نہریں کہلاتی ہیں کو بند کر دیا۔ اِن کی ایک شاخ لاہور کے درمیان سے گزرتی تھی جبکہ دوسری مرکزی شاخ فیروز پور روڈ پر للیانی کے مقام کو کراس کرتی تھی اور پورے لاہور ڈویژن کو سیراب کرتی تھی۔ اِس کے بعد 15 اپریل 1948 کو یعنی صرف 15 دنوں بعد ہی فیروز پور تحصیل جو کہ اب بھارت کا حصّہ تھی میں موجود فیروز پور ہیڈ ورکس سے نکلنے والی دیپالپور کینال کو بھی بند کر دیا گیا۔ یہ دیپالپور کینال پاکستانی پنجاب کے وسیع علاقے کو سیراب کرتی تھی اِس نہر کے اچانک بند ہو جانے سے ایک طرف تو وہ لاکھوں مہاجرین شدید متاثر ہوئے جنہیں عارضی طور پر حکومتِ پاکستان نے ہزاروں ایکڑ زرعی زمین کے اِرد گرد بسایا تھا اِن ہزاروں ایکڑ زمین پر کھڑی گندم کی فصل تباہ ہو گئی بلکہ چاول، کپاس اور گنے کی فصل بھی پانی نہ ملنے سے نہ بوئی جا سکیں۔ اِن تین اہم نہروں کے اِسطرح بند کر دیے جانے پر پاکستان کی سیاسی قیادت کو اپنی سیاسی غلطی کا پہلی بار احساس ہوا مگر پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اپنے حق کو بزورِ شمشیر لینے کی بجائے ایک بار پھر وہی گھِسا پِٹا مذاکرات کا راستہ اپنایا گیا اور پاکستان کے اُس وقت کے وزیرِ خزانہ غلام محمد اور دو وزراء ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات پر مشتمل وفد کو بھارت بھیجا گیا جہاں پر اِن نہروں کو کھلوانے کے لیے مذاکرات شروع کیے گئے اور 4 مئی 1948 کو ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کیے گئے جسکو اِس مسئلہ کا علاج سمجھا گیا مگر یہ علاج بیماری سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا اِس معاہدے کے تحت نہریں کھلوانے کے عوض اِس سارے پانی پر بھارت کے حق کو تسلیم کر لیا گیا اور اِس بات پر آمادگی ظاہر کر دی گئی کہ پاکستان اپنے علاقوں کو سیراب کرنے کے لیے متبادل ذرائع اور نہروں کی تعمیر کرے گا جبکہ اُس وقت تک موجودہ تین نہروں میں پانی جاری کرنے اور اسے پاکستانی علاقوں

تک پہنچانے کے بدلے اس کے اخراجات بھی بھارت کو ادا کرے گا اِس طرح وہ پانی جس سے پاکستانی علاقے سیر اب ہوتے تھے اور لاکھوں ٹن اناج مہیا کرتے تھے اُسکا مکمل حق پلیٹ میں رکھ کر بھارت کو دے دیا گیا۔

اِس وفد کی واپسی پر بجائے اِسکے کہ پوری قوم کو حقیقت سے آگاہ کیا جاتا اِس پر پردہ ڈالا گیا اور اپنی نااہلی چھپاتے ہوئے ایک طرح سے آبی ایمر جنسی کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی بنیادوں پر موجودہ BRB نہر کی کھدائی اور تعمیر کا اعلان کیا گیا تاکہ اِسکے ذریعے دریائے چناب کا پانی پُنجاب کے اُن وسیع علاقوں کی زرعی زمین تک پہنچایا جائے جو اِس سے پہلے اُن تین نہروں سے سیر اب ہوتی تھی جسکا کنٹرول اب بھارت کے پاس تھا۔ اِس BRB نہر کی تعمیر اور کُھدائی کو ایک اہم قومی فریضہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ لوگوں کے جذبہ حُب الوطنی کو بڑھانے کے لیے ریڈیو پاکستان، اخبارات اور سیاسی رہنماؤں کی تقاریر کے ذریعے اِس نہر کی اہمیت اور مسلمانوں سے ہندو ریاست کی دشمنی کو جواز بنا کر پیش کیا گیا، اِس نہر کی کھدائی کے لیے طلباء یہاں تک کہ طالبات کو بھی بلا لیا گیا (آج بھاشا ڈیم کی تعمیر کے لیے بھی پاکستانیوں کے مال کو ریاستی وسائل کا حصّہ بنانے کے لیے اِسی جذبہ حب الوطنی کا سہارا لیا جا رہا ہے اور اُسی طرح آبی ایمر جنسی کا اعلان کیا جا چکا ہے) لیکن اِس BRB نہر کی تعمیر بھی پانی کی اُس کمی کو پورا نہ کر سکی جو اُن تین نہروں سے آتا تھا جن کا کنٹرول بھارت کے پاس تھا۔

پانی کی کم ہوتی ہوئی مقدار اور اِسکے باوجود بھارت سے پانی پاکستان کو دینے اور پہنچانے کی قیمت ادا کرنے کی غلطی کا احساس جلد ہی پاکستان کو ہو گیا اور پاکستان نے اِس معاہدہ پر 1950 میں مزید عملدرآمد کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف پانی کی کمی کا شکار ہونے کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ اراضی اور لاکھوں مہاجرین بھی مشکلات کا شکار تھے جبکہ پاکستان اپنے رہنماؤں کی سیاسی غلطیوں جن میں بھارت سے بھارت کی شرائط پر مذاکرات بھی شامل تھے کی سزا بھگت رہا تھا یہی وہ وقت تھا جب عالمی طاقتوں نے اِس معاملے میں کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ امریکی ریاست Tenessee کے ایک آبی ادارے Tenessee Valley Authority (TVA) کے سابق چیئر مین David Lilienthal نے 1951 میں پاکستان اور بھارت کے آبی تنازعہ پر ہنگامی دورہ کیا جو Indus Water Treaty کی بنیاد بنا۔ David Lilienthal نے دونوں ممالک میں پانی کے مسئلے کا جائزہ لینے کے بعد 1951 میں ہی Colliers Magazine میں ایک مضمون لکھا۔ "Another Korea in the Making"، اِس مضمون میں اِس نے پاکستان میں پانی کی بگڑتی صورتحال پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُس نے اس مضمون میں لکھا کہ "بھارت کی جانب سے پانی کی بندش سے پاکستان ایک زبردست تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے جبکہ پانی کے مسئلہ پر دونوں ممالک کے درمیان کوئی معاہدہ کشمیر میں مزید جنگ کے خطرے کو ٹال سکتا ہے اور خطے میں ترقی لا سکتا ہے۔" پھر اِس نے اِس معاہدہ اور تصفیہ کے لیے World Bank کا نام تجویز کیا جو کہ اپنی سربراہی میں پاکستان اور بھارت دونوں کے ماہرین کو ساتھ ملا کر کسی حل تک پہنچے۔ اِسکے ورلڈ بینک کے صدر Eugene Black نے اِس معاملے پر پیش رفت شروع کی اور دونوں ممالک کی حکومتوں سے رابطے کیے۔ Indus Water Treaty کے نام پر دس سال مذاکرات چلتے رہے۔ پاکستان کو کئی مرتبہ محسوس ہوا کہ اِس معاہدے میں ایسی کئی دفعات ہیں جن میں پاکستان کی نسبت بھارت کو زیادہ فائدہ پہنچایا جا رہا ہے کئی مرتبہ یہ مذاکرات تعطّل کا شکار ہوئے کیونکہ پاکستان کی طرف سے اُسکے کئی خدشات کا تدارک نہیں کیا گیا تھا مگر آخر کار کچھ تبدیلیوں اور ترامیم کے بعد اِس معاہدہ پر اتفاق کر لیا گیا اور صدر ایوب خان اور بھارتی وزیر اعظم نہرو نے کراچی میں ورلڈ بینک کی سربراہی میں اِس پر دستخط کر دیے۔ اِس معاہدے کو تفصیل سے دیکھنے کے بعد کوئی بھی ذی شعور اِس میں پاکستانی حکومت اور اداروں کی سیاسی غیر پختگی اور نااہلی کا ادراک کر سکتا ہے۔ 1948 میں ہندوستان صرف اُن تین نہروں پر اپنا حق جتا رہا تھا حالانکہ اِن نہروں کا صرف 20٪ پانی بھارت اور 80٪ پانی پاکستان میں بہتا تھا مگر 1960 کے Indus Water Treaty میں اِن تین نہروں کے ساتھ ساتھ تین دریا ستلج، بیاس اور راوی پر بھی بھارت کا حق تسلیم کر لیا گیا یہ وہ دریا ہیں جن میں سالانہ 33 ملین ایکڑ فٹ پانی سالانہ بہتا تھا جس میں سے پاکستان 25 ملین ایکڑ فٹ اور بھارت صرف 8 ملین ایکڑ فٹ استعمال کرتا تھا۔ اِس معاہدے کے بعد پاکستان کا اِن تینوں دریاؤں پر حق مکمل طور پر ختم کر دیا گیا جبکہ پاکستان کو ملنے والے تین دریاؤں جہلم، چناب اور سندھ میں سے دو یعنی جہلم اور چناب کا نقطہ آغاز بھی بھارت کے زیرِ تسلّط کشمیر میں ہے۔ اِس معاہدے کے تحت پاکستان اِس بات کا بھی پابند تھا کہ وہ اپنے اُن علاقوں کو اب مغربی دریاؤں سے سیر اب کرنے کے لیے متبادل نہروں کی کھدائی اور تعمیر کا کام شروع کرے جو اِس سے پہلے مشرقی دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے ذریعے سیر اب ہوتے تھے۔ اِسکے علاوہ پاکستان کو مغربی دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر اور دریائے سندھ سے بھی نہریں اور پانی کے Channels نکال کر اپنی زرعی زمینوں کو سیر اب کرنے کے لیے ایک طویل اور محنت طلب کام کو انجام دینا تھا۔ اِس سارے کام کے لیے کئی سال اور اربوں ڈالرز کی ضرورت تھی۔ ورلڈ بینک نے اپنی سربراہی میں چھ ممالک سے پاکستان کے 1.3 بلین ڈالرز حاصل کیے جسکا کچھ حصّہ امداد اور کچھ قرض کی شکل میں پاکستان کو دیا گیا تاکہ وہ مغربی دریاؤں سے نہروں کی تعمیر کے ذریعے اپنے علاقوں کو سیر اب کر سکے۔ اِن چھ ممالک میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، جرمنی، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ شامل تھے جب کہ بھارت سے محض 620,60000 برطانوی پاؤنڈ حاصل کر کے اِسے ہمیشہ کے لیے تین مشرقی دریاؤں سمیت تینوں نہریں بھی دے دی گئیں اور جیسے پہلے بھی بتایا گیا کہ اِن تین نہروں کا 80٪ پانی پاکستان میں بہتا تھا۔ اور بھارت کو یہ تین دریا بھی اس حقیقت کے باوجود دیے گئے کہ اِس کے پاس اِن دریاؤں کے علاوہ 9 بڑے دریا اور اِن سے نکلنے والی بے شمار Tributaries یعنی چھوٹے دریا اور پہلے سے تعمیر شدہ ایک نسبتاً بہتر نہری نظام تھا جو بھارت کے تقریباً تمام علاقوں کو سیر اب کرتا تھا۔ دونوں ممالک کے درمیان اِس معاہدہ میں کسی اختلاف کے پیشِ نظر فیصلہ کن کردار ثالث کے طور پر ورلڈ بینک کو ہی دیا گیا۔ اِس معاہدے میں واضح طور پر یہ دکھائی دیتا ہے کہ بھارت کو ہر طرح سے فائدہ پہنچا اور یہی وجہ ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان تین جنگوں اور بے شمار اختلافات کے باوجود بھارت اِس معاہدے کو توڑنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ معاہدہ ایک طرف تو اِسے فائدہ پہنچاتا ہے جبکہ دوسری طرف اُسے پاکستان پر غلبے کا راستہ دیتا ہے۔ اِس معاہدے کے ہوتے ہوئے بھی بھارت پاکستان کے دو دریاؤں جہلم اور چناب پر اپنے علاقے میں نصف درجن سے زائد پانی ذخیرہ کرنے اور بجلی بنانے کے منصوبے یا تو مکمل کر چکا ہے یا وہ زیرِ تکمیل ہیں جن میں سے زیادہ تر اِس معاہدے کی خلاف ورزی ہیں کیونکہ یہ منصوبے پاکستان کے اندر جہلم اور چناب میں پانی کے بہاؤ کو کم کر دیتے ہیں اور پاکستانی اعتراضات کے باوجود ورلڈ بینک کبھی بھارت کو اُن منصوبوں کو ختم کرنے پر مجبور نہیں کر سکا۔

سندھ طاس معاہدے میں بین الاقوامی طاقتوں کے کردار کو اس پس منظر کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے کہ پچاس کی دہائی سے پاکستان کا جھکاؤ امریکہ کی طرف ہونا شروع ہو گیا اور ایوب خان کے اقتدار میں آنے کے بعد پاکستان مضبوطی سے امریکی مدار میں گردش کرنے لگا جبکہ دوسری طرف بھارت کانگریس کی حکومت کے تحت برطانیہ کے زیر اثر تھا۔ امریکہ پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں مضبوط کرنا چاہتا تھا اور اسے پاکستان کے آبی مسئلے پر تشویش بھی تھی لیکن تاریخی طور پر ورلڈ بینک پر امریکہ کی بجائے یورپ کا اثر و رسوخ موجود رہا

ہے یہی وجہ ہے کہ دریاؤں اور پانی کی تقسیم کے مسئلے پر ورلڈ بینک کی ثالثی نے پاکستان کی بجائے بھارت کو زیادہ فائدہ پہنچایا کیونکہ بھارت امریکہ کی بجائے برطانیہ کے قریب تھا۔ آج جب علاقائی صورتِ حال تبدیل ہو چکی ہے اور بھارت بی جے پی حکومت کے زیرِ قیادت امریکہ کے دائرہ اثر میں جا چکا ہے، اور خطے میں امریکہ ترجیحات تبدیل ہو چکی ہیں پس امریکہ پاکستان کو کمزور رکھنا چاہتا ہے اور بھارت کو علاقائی طاقت کے طور پر کھڑا کرنا چاہتا ہے جو پاکستان پر حاوی ہو، تو آج پاکستان کے پانیوں پر بھارت کا کنٹرول امریکہ کے مفاد میں ہے۔

آیئے اب اِس حقیقت کو دیکھتے ہیں کہ کیا پاکستان میں پانی کی کمی کا سبب اوپر بیان کیے کردہ صورتِ حال ہی ہے، یا اِسکے باوجود پاکستان کے پاس ہر سال پانی کی اتنی مقدار موجود ہوتی ہے جو اِسکی زراعت سمیت تمام ضروریات پوری کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ آبی وسائل سے متعلق دستیاب حقائق اور اعداو شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں پانی کی کمی کا مسئلہ پانی کی قلّت کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی کے ضائع ہونے، موجودہ نہری نظام جسے 70-1960 کی دہائی میں بنایا گیا تھا کے Upgrade اور مرمّت نہ ہونے سے بوسیدہ ہو جانے، پانی کی غیر منصفانہ تقسیم اور ریاستی اداروں کی بے حسّی، نااہلی اور لالچ کی وجہ سے ہے۔ اِسکی ایک اور بڑی وجہ صوبوں کے آپس میں اور مرکز کے ساتھ عدم اعتماد بھی ہے جس کی جڑیں فیڈرل طرزِ حکومت میں پیوست ہیں۔ پاکستان انڈس واٹر سسٹم جس میں جہلم اور چناب کے دریا بھی شامل ہوتے ہیں بارشوں اور پہاڑوں پر برف کے پگھلنے سے کم و بیش 144 ملین ایکڑ فٹ پانی سالانہ لے کر آتا ہے۔ اِس میں 104 ملین ایکڑ فٹ پانی ہماری زرعی ضروریات کے لیے آبپاشی کے نظام کی طرف موڑ دیا جاتا ہے جسے پاکستان میں موجود ڈیموں، بیراجوں، نہروں اور اُنکے کھالوں کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ باقی 39 ملین ایکڑ فٹ پانی پاکستان کے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا سمند میں جا گرتا ہے۔ زراعت کے لیے مختص 104 ملین ایکڑ فٹ میں سے بھی زیادہ تر پانی بوسیدہ نہری نظام کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے ایک کے بعد دوسری آنے والی فوجی و جمہوری حکومتوں نے اِس نظام کی بہتری اور اِسے Upgrade کرنے کے لیے کبھی سنجیدہ کوششیں نہیں کی۔ نہری راستوں کی Lining یعنی نہروں کے فرش اور اطراف کو پختہ نہ کرنے کی وجہ سے ہم ہر سال 104 ملین ایکڑ فٹ میں سے تقریباً 44 ملین ایکڑ فٹ پانی Seepage کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں یعنی یہ پانی ہمارے کھیتوں اور فصلوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ آبی تحقیق بتاتی ہے کہ غیر پختہ نہریں یا Unlined Canals 30-50٪ پانی منزل تک پہنچانے سے پہلے ہی کھو دیتی ہیں اور پھر نہروں اور آبی راستوں کے فرش اور اطراف میں یہی جذب شدہ پانی آس پاس کے زرعی اور رہائشی علاقوں کے لیے Water Logging, Salinity یعنی سیم و تھور کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ 3 ملین ایکڑ فٹ پانی Evaporation اور دوسرے مسائل کی وجہ سے ضائع ہوتا ہے۔ جبکہ باقی 57 ملین ایکڑ فٹ جب ہمارے کھیتوں اور فصلوں تک پہنچتا ہے وہاں پر بھی حکومتی اداروں کی طرف سے کسانوں کی تربیت نہ ہونے اور فصلوں کو پانی دینے کی جدید ٹیکنالوجی استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اِس پانی کا ایک بڑا حصّہ بے جا اور غیر ضروری استعمال سے ضائع ہوتا ہے جبکہ وہ علاقے جو نہری راستوں سے زیادہ فاصلے پر ہوتے ہیں یا آبی راستوں کے نچلی جانب ہوتے ہیں پانی کے اِس ضیاع کی وجہ سے وہاں تک پانی کم پہنچ پاتا ہے اور یہاں کے کسان اپنی فصلوں کے لیے قدرتی طور پر اِس بہتے پانی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اِن متاثرہ کسانوں کو کم پانی ملنے کی ایک اور وجہ نہروں کے قریب یا آبی راستوں کے بالائی جانب اُن زمینوں کا ہونا بھی ہے جو بڑے سرمایہ داروں اور وڈیروں کی ملکیت میں ہوتی ہیں اور وہ حکومتی اہلکاروں کے تعاون یا حکومتی بے حسّی کی وجہ سے پانی کے ایک بڑے حصّے کو اپنی ہی زمینوں پر استعمال اور ضائع کر دیتے ہیں مجبوراً چھوٹے اور غریب کسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اِس مصنوعی کمی کو پورا کرنے کے لیے ٹیوب ویلوں کا سہارا لیتی ہے اور اِس طرح زیرِ زمین پانی کا استعمال اُن کی مجبوری بن جاتا ہے ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں اِس وقت تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد ٹیوب ویل موجود ہیں جو زیرِ زمین پانی کو ایک خطرناک حد تک نکال کر استعمال کر رہے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 42 ملین ایکڑ فٹ پانی ہر سال اِن ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالا جاتا ہے جسے زرعی ضروریات کے علاوہ پینے کے پانی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس مصنوعی کمی کو پورا کرنے کے ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالے جانے والے اِس پانی کی وجہ سے پاکستان میں زیرِ زمین پانی کئی علاقوں میں خطرناک حد تک کم ہو چکا ہے جبکہ اگر حکومت نہری نظام کی Upgradation کرے اور نہروں کی Lining کرے اور آبپاشی کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرے تو زیرِ زمین پانی نکالنے کی ضرورت شاذونادر یا صرف چند مخصوص علاقوں میں ہی پیش آئے اور ہم اپنی ساری ضروریات دستیاب 104 ملین ایکڑ فٹ پانی سے پوری کرنے کے قابل ہوں۔

جہاں تک کراچی میں پینے کے پانی کی قلّت کا مسئلہ ہے وہاں اِس مسئلہ کا تعلق پانی کی کمی سے ہر گز نہیں بلکہ ٹینکر مافیا کی حکومتی اداروں اور اہلکاروں سے ملی بھگت ہے۔ اِس ٹینکر مافیا کو کئی لالچی اور مفاد پرست رہنماؤں کی پُشت پناہی حاصل ہے۔ اِس معاملے میں حکومتی اداروں کی طرف سے پانی کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف اقدامات نہ کرنا بالواسطہ ٹینکر مافیا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ عوام کو پانی کی مصنوعی قلّت دکھا کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ٹینکر مافیا سے مہنگے داموں پانی خرید کر اپنی گھریلو ضروریات پوری کریں جبکہ پانی کا ایک ٹینکر کراچی میں 3500-2500 روپے میں فروخت ہوتا ہے۔ کراچی میں پانی عام طور پر حب ڈیم سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ ماضی میں جب بھی بارشوں کی کمی کی وجہ سے حب ڈیم میں پانی کی مقدار کم ہوتی تھی تو دریائے سندھ کے پانی کا رخ حب ڈیم کی طرف ایک آبی راستے کے ذریعے موڑ دیا جاتا تھا اور کراچی کو پانی سپلائی کر دیا جاتا تھا مگر پچھلے چند سالوں میں جب بھی ڈیم میں پانی کی مقدار کم ہوتی ہے تو دریائے سندھ سے پانی ڈیم میں پہنچانے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے تاکہ یہ مسئلہ شدّت اختیار کر جائے اور عوام کے پاس ٹینکر مافیا سے پانی خرید کر استعمال کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہو۔ کراچی کے علاوہ دوسرے کئی شہروں میں بھی پینے اور گھریلو استعمال کے لیے پانی کی کمی کا تعلق مجموعی طور پر پانی کے نظام کو بہتر بنانے میں حکومتی اداروں کی نااہلی اور کرپشن سے ہی ہے یہاں تک کہ ملک کے دارالخلافہ اسلام آباد میں بھی سال کے اکثر اوقات پانی کی کمی کا مسئلہ عوام کو شدید پریشان کرتا ہے۔ اِسی حکومتی نااہلی اور کرپشن کی وجہ سے ہی کئی بڑے سرمایہ دار صاف پانی عوام کو مہیا کرنے کے نام پر منرل واٹر کی کمپنیاں بنا کر عوام کو وہی پانی جو کہ اُن کا حق تھا کڑوڑہا کڑوڑ روپوں میں بیچ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔

پاکستان میں ڈیموں کی تعمیر بھی صوبوں اور مرکز کے درمیان شدید اختلاف کا باعث بنتی ہے۔ یہ خالصتاً تکنیکی مسئلہ ہے جسے تکنیکی ماہرین کی آراء کی روشنی میں ہی حل ہونا چاہیے۔ مرکز کا موقف یہ رہا ہے کہ اگر بالفرض اضافی پانی موجود نہ بھی ہو جو کہ سمندر میں گر کر ضائع ہو جائے تو وہ پانی جو شدید سیلاب کی صورت میں پاکستان کے مختلف علاقوں میں زرعی زمین کو نقصان پہنچاتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے، اسے چھوٹے اور بڑے ڈیم بنا کر محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ڈیم ایک طرف تو اِس پانی کے ذریعے سستی بجلی پیدا کرتے ہیں، زراعت کے لیے حسبِ ضرورت پانی مہیّا کرتے ہیں اور دوسری طرف سیلاب کی شدّت کو کم کر کے زرعی زمین اور فصلوں کو ہونے والے نقصان کو بھی کئی گنا گھٹا دیتے ہیں۔ پاکستان میں دو بڑے ڈیم تربیلا اور منگلا سمیت پانی کے دوسرے چھوٹے ذخیرے مجموعی طور پر صرف 17 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جبکہ پانی ذخیرہ کرنے کی اِن کی

گنجائش بھی Silting کی وجہ سے ہر گزرتے سال کے ساتھ کم ہوتی جارہی ہے۔ تربیلا اور منگلا ڈیم اِس Silting کی وجہ سے ہی پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کا 33٪ کھو چکے ہیں۔ بننے والے نئے ڈیم اِن موجودہ ڈیموں پر شدید دباؤ کو بھی کم کریں گے اور مزید Silt کے آنے کی مقدار کم ہو کر اِن موجودہ ڈیموں کی قابلِ استعمال رہنے کی مدّت بھی بڑھادیں گے۔ اسی موقف کی بنا پر نئی حکومت نے ڈیم بنانے کی مہم کا آغاز کیا تاہم صورتِ حال یہ ہے اِس کے پاس ڈیم بنانے کے لیے رقم دستیاب نہیں ہے اب یہ رقم یا تو بین الاقوامی اداروں سے اربوں ڈالرز قرض لے کر حاصل کی جائے اور اِس قرض اور اِسکے سود کی ادائیگی کے لیے کئی دہائیوں تک عوام پر مزید مہنگائی اور مزید ٹیکسوں کا نفاذ کر دیا جائے یا پھر یہ حکمران جذبہ حب الوطنی کا سہارا لے کر ایک مرتبہ پھر عوام کو ہی نچوڑیں اور اس خوف میں مبتلا کر کے ان سے پیسے بٹوریں کہ اگر انہوں نے نئے ڈیموں کی تعمیر کے لیے اربوں روپے اکٹھے کر کے حکومت کو نہ دیے تو اُنکی آنے والی نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔ نئے حکمرانوں نے ڈیموں کی تعمیر کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے کے لیے یہی دوسرا راستہ اپنایا ہے مگر صرف دیامیر بھاشا ڈیم کے لیے درکار 1400 ارب روپے سے زائد رقم صرف عوام کی جیبوں سے نکلوانے کے لیے نہ جانے کتنے سال یا کتنی دہائیاں لگیں گی - ڈیم بنانے کا عمل اِس وجہ سے بھی ایک بہت مہنگا عمل ہو گیا ہے کہ 70 سالوں میں پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں نے اداروں کی Structuring اور تربیت سازی کبھی اِس انداز سے نہیں کی کہ میگا پراجیکٹس کے لیے ٹیکنالوجی اور ماہرین مقامی سطح پر ہی دستیاب ہوں اور جب ہمیں اِسطرح کا کوئی میگا پراجیکٹ بنانا ہوتا ہے تو ہمیں ٹیکنالوجی اور ماہرین کے لیے بین الاقوامی ممالک یا اداروں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ جو اِس کام کا بھاری معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم صرف عوام سے ہی اکٹھی کرنا جس پر یہ حکومت بضد نظر آتی ہے ایک انتہائی مضحکہ خیز بلکہ ظالمانہ عمل ہے۔ پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں جب بھی مشکل وقت ہو یا مشکل فیصلہ کرنا ہو تو عوام نے حکومت کا ساتھ دیا ہے لیکن جب یہی مظلوم مگر مخلص عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے اِن نااہل حکمرانوں کو پکارتے ہیں تو یہ حکمران بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ڈیموں کی تعمیر میں دوسرا بڑا مسئلہ صوبوں کے آپس اور مرکز کے ساتھ اِس معاملے پر اختلافات ہیں۔ اِن اختلافات کی وجوہات ڈیموں کے تکنیکی معاملات سے زیادہ ایک دوسرے پر عدم اعتماد کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اور یہی عدم اعتماد جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کیونکہ اِس نظام میں حصّہ لینے والا ہر گروہ اِس نظام کے ساتھ جڑے ہوئے مفادات کا زیادہ سے زیادہ حصّہ وصول کرنا چاہتا ہے اور جب بھی ایسا ہوتا ہے تو کچھ دوسرے گروہوں کے مفادات بالخصوص اور عوام جو پہلے ہی لاتعداد مسائل کا شکار ہوتے ہیں اُن کے حقوق بالعموم شدید متاثر ہوتے ہیں۔ اِسطرح کسی بھی تعطل کی شکل میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے عوام ہی ہوتے ہیں جیسا کہ پاکستان میں ڈیموں کی تعمیر کے بارے میں ہو رہا ہے۔

پاکستان کے سرمایہ دارانہ حکمرانوں نے پچھلے بیس سالوں میں پانی کی کمی کا جھوٹا شور تو بہت مچایا ہے لیکن کبھی بھی اس مسئلے کو خصوصاً زراعت کے میدان میں پانی کی کمی کو دور کرنے اور زرعی پیداوار کو متاثر ہونے سے بچانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی جدید ٹیکنالوجی کسانوں میں عام کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کی۔ حالانکہ کئی ترقی یافتہ بلکہ ترقی پذیر ممالک بھی زراعت کے میدان میں متعارف ہونے والی سائنسی ایجادات اور وسائل کے ذریعے اپنی زرعی پیداوار کو کم پانی کے باوجود کئی گُنا بڑھا چکے ہیں۔ اِن ذرائع اور وسائل میں سے ایک Qemisoyl ٹیکنالوجی ہے۔ Qemisoyl دانے دار Sythetic Polymer ہوتا ہے۔ اِسکی صرف ایک گرام مقدار آدھ لیٹر پانی جذب کر کے اپنا وزن پانچ سو گُنا تک بڑھالیتی ہے اور تقریباً سارا پانی پودوں کی جڑوں میں جذب کر کے واپس ایک گرام مقدار کے حجم پر آجاتی ہے۔ Qemisoyl کے اِن ذرات سے پانی کی پودوں کی جڑوں میں منتقلی کے دوران پانی ہوا میں تحلیل بھی نہیں ہوتا جسے Evaporation کہتے ہیں اور نہ ہی یہ کسی اور طرح ضائع ہوتا ہے۔ یہ ذرات پانی کو پودوں کی منتقلی کے دوران مٹی کی Density کو کم کر کے اِس میں ہوا اور پانی کی رسائی کو بہت آسان بناتے ہیں جو کہ پیداوار میں اضافے میں بھی مددگار ہوتا ہے۔ Qemisoyl کے یہ ذرات پانی پودوں کو منتقل کرنے اور اپنے ایک گرام کے وزن پر واپس آجانے کے بعد دوبارہ آدھا لیٹر پانی جذب کر کے اِس عمل کو بار بار دہرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ذرات زمین میں Apply کرنے کے 4 سے 5 سال بعد تک قابل استعمال رہتے ہیں اور بلوچستان اور سندھ کے غیر بارانی اور پانی کی کمی سے متاثرہ علاقوں میں کاشت کاری کے لیے Wonder remedy کے طور پر کام کر سکتے ہیں جبکہ اِسکی قیمت بھی ہمارے تمام علاقوں کے کسانوں کی پہنچ میں ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ یہ زرعی پیداوار کو فی ہیکٹر 27-20٪ تک بڑھادیتے ہیں اور پانی کی کمی کا مسئلہ 50-40٪ تک حل کر دیتے ہیں جبکہ Bio degradable ہونے کی وجہ سے اپنی مدت پوری ہونے پر زمین کو نقصان پہنچائے بغیر مٹی کا حصّہ بن جاتے ہیں اور اِن کی جگہ دوسرے دانے دار ذرات استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

زمین کو ایک اور جدید انداز سے پانی دینے کے لیے Trickle/ Drip Irrigation System بھی اختیار کیا جاسکتا ہے جس میں ایک بڑے رقبے کو بہت زیادہ مقدار میں پانی دینے کی بجائے پودوں یا فصل کو انفرادی طور پر ہی سیراب کر دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خاص طور پر پھلوں کے باغات اور ایسی فصلوں کے لئے نہایت موزوں ہے جہاں پر فصل کے پودے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر موجود ہوتے ہیں۔ اِس میں ہر درخت یا پودے کو اُسکی اطراف میں چھوٹے سے Diameter میں کفایت شعارانہ انداز میں پانی پہنچایا جاسکتا ہے اور پودوں کو یہ پانی پہنچانے کے لیے اُن کے اطراف میں چھوٹے والوز، پائپ یا ٹیوبیں زمین کی سطح کے اوپر یا سطح سے چند سینٹی میٹر نیچے دبا دیے جاتے ہیں جو کہ خاص Calculated مقدار میں ہی اِن پودوں کے لیے پانی Release کرتے ہیں اور اسطرح پانی ضائع نہیں ہوتا۔

اِسکے علاوہ ایک اور جدید ذریعۂ آبپاشی Sprinkler Irrigation System ہے۔ یعنی ایک Water/ Raingun کے ذریعے فصلوں اور پودوں کو پانی کا چھڑکاؤ۔ یہ طریقہ قدرتی بارش کیطرح ہی کام کرتا ہے یہ واٹر گن زمین میں پائپ یا فوارے کی شکل میں نصب کر دی جاتی ہے جو پانی کو Pump کر کے ہوا میں پودوں کے اوپر چھڑک دیتی ہیں جو کہ زمین میں گرنے کے بعد پودوں کی جڑوں تک پہنچ کر اِسے سیراب کرتی ہیں اور اِسطرح بڑے زرعی رقبہ کو بے تحاشا پانی دینے کی بجائے اِس پائپ یا فوارے کے ذریعے مناسب مقدار میں پانی دینے سے بہت سارا پانی بچالیا جاتا ہے۔

اِن ذرائع کے علاوہ بھی کئی ایسے جدید طریقے موجود ہیں جو پانی کی کمی کے باوجود فصل اور پیداوار کو متاثر نہیں ہونے دیتے بلکہ اِن ذرائع کے استعمال سے پیداوار اور مزید بڑھ جاتی ہے۔ اِسکے علاوہ استعمال شدہ پانی کو Recycle کرنے کی ٹیکنالوجی سے بھی استفادہ کر کے استعمال شدہ پانی کی ایک بہت بڑی مقدار کو دوبارہ قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے مگر پاکستان میں اِسکی جانب بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جب تک ریاست اِن طریقوں اور ذرائع کی حوصلہ افزائی نہ کرے، کسانوں کی تربیت نہ کرے اور کسانوں کو جدید طریقے اپنانے کے لیے

مالی مدد مہیانہ کرے اُس وقت تک ہمارا کسان کبھی ترقی نہیں کرے گا اور ہماری زراعت جو ابھی بھی GDP کا 25٪ پیدا کرتی ہے اِسی طرح سسکتی رہے گی۔ ہمارے جمہوری اور سرمایہ دارانہ حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی کا یہ ایک بہت تکلیف دہ اور افسوسناک تضاد ہے کہ وہ نظامِ حکمرانی اور قوانین تو کفار اور نام نہاد ترقی یافتہ ممالک سے لیتے ہیں کہ جن کو لینا اللہ اور اُسکے رسول نے حرام قرار دیا مگر وہ سائنسی تحقیق، نئی ایجادات اور جدید ذرائع ٹیکنالوجی کہ جن کو لینا شرع نے جائز قرار دیا ہے اُن سے استفادہ کر کے لوگوں کے بنیادی مسائل حل کرنے میں انتہائی سُست بلکہ ناکام دکھائی دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِذن سے انشاء اللہ قائم ہونے والی ریاستِ خلافت اسلامی احکامات کی روشنی میں پانی کے مسئلے کو حل کرے گی، وہ جدید ٹیکنالوجی سمیت ایسے تمام وسائل بروئے کار لائے گی جو امت کو اِس مسئلہ سے نجات دلائیں گے۔ آج لوگوں کا حکمرانوں اور اِس جمہوری و سرمایہ دارانہ نظام پر عدم اعتماد پانی کے مسئلے میں نمایاں رکاوٹ کے طور پر نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ حکمران مختلف قسم کے ظالمانہ ٹیکسوں کے ذریعے عوام کا شدید استحصال کرتے ہیں مگر بدلے میں عوام کو سہولیات کی بجائے مہنگائی، بجلی پانی گیس کی لوڈشیڈنگ، مہنگی تعلیم اور صحت کی ناکافی سہولیات جیسے عذاب ملتے ہیں جبکہ حکمرانوں کے اپنے اثاثوں اور آسائشوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ریاستِ خلافت پہلے دن سے ہی وہ تمام ظالمانہ اور غیر شرعی ٹیکسز جو چاہے Direct ہوں یا Indirect کو کالعدم قرار دے دے گی جنہوں نے عوام کی کمر توڑ دی ہے جس سے فوری طور پر ہی مہنگائی کا خاتمہ ہو گا۔ جبکہ پٹرول، گیس، کوئلہ اور بجلی بنانے کے ذرائع پرائیوٹ کمپنوں سے لے کر اُنہیں ریاستی تحویل میں دے گی کیونکہ اسلامی احکامات کی روشنی میں یہ امت کے اثاثے ہیں اور اِن پر بھاری ٹیکسوں کا خاتمہ کر دے گی جس سے عوام کو اپنی زندگیوں میں معاشی طور پر ایک بڑی تبدیلی محسوس ہو گی اور وہ سُکھ کا سانس لیں گے۔ یہ تمام اقدامات ریاستِ خلافت کے ابتدائی دنوں سے ہی عوام کا اِسلامی حکومت پر اعتماد بحال کر دیں گے اور جب اِنہیں اِس بات کا یقین ہو گا کہ حکومت کے تمام اقدامات کی بنیاد دینِ اسلام ہے نہ کہ ماضی کی سرمایہ دارانہ حکومتوں کی طرح حکمرانوں کا مفاد تو ڈیم بنانے یا نہ بنانے سمیت تمام ریاستی اقدامات کے پیچھے عوام کی حمایت و تائید واضح طور پر نظر آئے گی۔ اِنہیں اِس بات کا بھی پوری طرح یقین ہو گا کہ ریاست خلافت کسی بھی طرح اُن کا استحصال یا حقوق پامال نہیں ہونے دے گی۔ ریاستِ خلافت رسولؐ اللہ کی حدیث مبارکہ **المسلمون شركاء فى ثلاث: فى الماء والكلاء والنار** "مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: پانی، چراگاہیں اور آگ" کی روشنی میں زراعت کے لیے پانی کے وسائل مہیا کرنے کے علاوہ وہ ہر شخص تک پینے کے لیے صاف پانی کی رسائی ممکن بنائے گی کیونکہ یہ ہر شخص کا حق ہے۔ نہری نظام کو Upgrade کرنے کے علاوہ اُسکو جدید بنیادوں پر وسعت دی جائے گی اور سندھ اور بلوچستان کے اُن علاقوں تک پانی مختلف ذرائع سے پہنچایا جائے گا جنہیں اِس نعمت سے اب تک محروم رکھا گیا ہے، اگر وہاں پانی کی ترسیل مشکل ہو تو انہیں ایسے علاقوں میں بسایا جائے گا جہاں پانی کی قلت نہ ہو، جبکہ زرعی پیداوار میں اضافے کے لیے ریاستِ خلافت پاکستان کی تمام زرعی زمین کو کسانوں اور اِن زمینوں کے مالکان کے ذریعے قابل کاشت بنائے گی جبکہ زرعی ٹیکنالوجی چھوٹے کسانوں میں عام کرنے اور زرعی آلات، کھادوں اور کیڑے مار ادویات پر تمام غیر شرعی ٹیکسز ختم کر کے زراعت کے میدان میں نئی روح پھونکے گی۔ اِسلامی اقتصادی نظام کا نفاذ ریاست کو کثیر سرمایہ مہیا کرے گا اور اِس کثیر سرمایہ سے ہی پانی کے مختلف پراجیکٹس اور نہری نظام کی بہتری کو یقینی بنایا جائے گا نہ کہ سودی قرضوں کے حصول کے ذریعے۔ اِس کے علاوہ خلافت اپنے اداروں کی Structuring اور جدید سائنسی تعلیم کی فراہمی اس انداز سے کرے گی کہ ڈیموں کی تعمیر سمیت ہر قسم کے میگا پراجیکٹس کے لیے ماہرین اور جدید ٹیکنالوجی مقامی سطح پر ہی دستیاب ہوں اور کفار پر انحصار مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔

جہاں تک بھارت کی آبی جارحیت اور پاکستان کے کچھ آبی وسائل پر بھارت کی دسترس اور غلبے کا تعلق ہے تو اُسکی وجہ پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں اور حکمرانوں کی سیاسی غیر پختگی، بزدلی اور خارجہ پالیسی کو استعماری کفار کے تابع کرنا ہے۔ اگر 48-1947 کی جنگ میں کشمیر کے ایک تہائی حصّہ پر اکتفا کرنے کی بجائے پورے کشمیر کو فتح کر لیا جاتا اور اِسکے ساتھ فیروز پور اور زِرا کی تحصیلوں کو بھی مسلم آبادی ہونے کی بنیاد پر فوجی طاقت کے ذریعے حاصل کر لیا جاتا، اور اپنے معاملات میں ورلڈ بینک جیسے اداروں کو مداخلت کی اجازت نہ دی جاتی تو بھارت کو کبھی پاکستان کے آبی وسائل پر دسترس اور غلبہ حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی پاکستان کی عوام کے سر پر انڈس واٹر معاہدے جیسا کوئی معاہدہ تھوپا جاتا۔ ریاستِ خلافت جو کہ جہاد کو اِسلامی احکامات کی روشنی میں اپنی خارجہ پالیسی کا محور بنائے گی، کسی بھی صورت یہ برداشت نہیں کرے گی کہ یہ علاقے بھارتی تسلّط میں رہیں اور اِن کو آزاد کرا کے اور اسلامی ریاست کا حصّہ بنا کر اپنے آبی وسائل پر بھارتی دسترس کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی اور اگر پھر بھی اِس مسئلہ پر بھارتی ریاست کے ساتھ پانی کے مسئلے پر کسی عارضی معاہدے کی ضرورت ہوئی تو اِس میں اسلام کے احکامات کی روشنی میں ریاست اور عوام کے مفاد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہی اِس معاہدے کو ترتیب دیا جائے گا۔ اور کسی اور غیر مسلم بین الاقوامی ادارے کے ہاتھ میں اِسکی ثالثی کا اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اللہ سبحانہ وَتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا

"اللہ نے کفار کو ہر گز مسلمانوں پر کوئی غلبہ / اختیار نہیں دیا" **(سورہ النساء:141)**